www.KitaboSunnat.com

ادب و ثقافت کی روشن شمع کی وفات

محمد عطاء اللہ صدیقی

سیّد ابوالحسن علی ندوی ؒ

عالم اسلام کا روشن چراغ جو بجھ گیا !!

۱۹۹۹ء جسے بیسویں صدی کا آخری سال قرار دیا جارہا ہے، ملتِ اسلامیہ کیلئے 'عام الحزن' ثابت ہوا کہ اسے یکے بعد دیگرے متعدد نابغہ ہائے عصر اور اساطین علم وادب کے داغ ہائے مفارقت سہنے پڑے۔ ان میں تین گراں قدر ہستیاں تو ایسی ہیں کہ جن کی رحلت نے ملتِ اسلامیہ کو علمی اعتبار سے فی الواقع یتیم اور ویران کر کے رکھ دیا ہے۔ جون ۹۹ء میں سعودی عرب کے مفتی اعظم سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز کے سانحۂ ارتحال سے ملتِ اسلامیہ ایک عظیم عالم دین اور مدبر سے محروم ہو گئی۔ ۲/ اکتوبر کو علمائے سلف کی یادگار، فخر روزگار علامہ محمد ناصر الدین البانی کے انتقال کی صاعقہ اثر خبر نے پورے عالم اسلام کو محزون وملول کر دیا۔ بیسویں صدی کے خاتمہ میں ابھی چند ساعات ہی باقی تھیں کہ مفکر اسلام، فخر عجم وعرب سید ابوالحسن علی ندوی اس جہانِ آب وگل اور اس کے طوق وسلاسل کی قید سے آزاد ہو کر ان باکمالوں سے جا ملے جن کے اس جہانِ فانی سے سفر کا سلسلہ ابتدائے آفرینش سے جاری ہے۔ گویا اکیسویں صدی کے لمحۂ اول کے لئے جب پورے عالم میں استقبالی جشن چراغاں برپا تھا، ملت اسلامیہ کا چمنستانِ علم وادب اپنے منور ترین چراغوں کے بجھ جانے پر سوگواری میں ڈوبا ہوا تھا !!

مذکورۃ الصدر تینوں شخصیات وہ آفتاب ہائے علم وادب اور بحر ذخار تھیں کہ جن کی موجودگی میں قومیں بجا طور پر اپنی خوش بختی پر ناز کرتی ہیں۔ شیخ ابن باز سعودی عرب کے ترین علمی منصب تحقیق وافتاء کے رئیس عام، وہ ممتاز عالم تھے جن کی فقہی آراء اور قرآن وسنت کی تشریحات وتعبیرات کو پورے عالم اسلام میں احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ دورِ حاضر کے پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل کا وہ قرآن وسنت کی روشنی میں اس قدر سہل اور مؤثر حل پیش کیا کرتے تھے کہ علماء وفضلا انہیں امامِ ملت تسلیم کرتے تھے، ان کی تبحر علمی اور بالغ نظری کا ایک زمانہ معترف تھا۔ ان علمی آراء کے سامنے حکمرانِ وقت بھی سر تسلیم خم کرتے تھے۔ قرآن وسنت کے علوم کی ترویج واشاعت کے لیے ان کی گراں قدر خدمات کی ملتِ اسلامیہ تادیر زیر بارِ احسان رہے گی۔

علامہ ناصر الدین البانی بیسویں صدی کے سب سے بڑے محدث ہیں۔ علم حدیث کے فروغ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وتحقیق کے متعلق ان کے محیر العقول کارناموں کو دیکھ کر قرونِ اولیٰ کے ائمۂ فن حدیث (امام بخاریؒ و مسلمؒ وغیرہ) کی علمی کاوشوں کا نقشہ ذہن میں ابھرنے لگتا ہے۔ صحیح اور ضعیف احادیث کی تخریج، اکثر مشہور کتب پر ان کی تعلیقات وحواشی اور تحقیقات نے دورِ جدید میں علم حدیث کی ایک نئی تحریک کو جنم دیا ہے۔ وہ بلاشبہ محی السنۃ، قامع البدعۃ اور شیخ ابن باز کے بقول بیسویں صدی کے مجدد تھے۔ ان کے عظیم علمی کارناموں کی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے یہ سب کچھ سرکاری سرپرستی کے بغیر سرانجام دیا بلکہ وہ بعض صورتوں میں اہل اقتدار کے عتاب کا شکار بھی رہے۔

سید ابوالحسن ندویؒ زبان وادب اور تاریخ وثقافت کے دورِ حاضر میں اسلامی دنیا کے عظیم ترین شاہسوار تھے۔ انہوں نے اسلامی تاریخ سے ملتِ اسلامیہ کو اس ولولہ کے ساتھ روشناس کرایا کہ مسلمانوں کا اپنی تاریخ پر کھویا ہوا اعتماد ایک دفعہ پھر بحال ہوگیا۔ وہ ایک عجمی تھے مگر ان کی عربی زبان میں تصانیف نے عالم عرب کے صاحبانِ علم وانشاء سے وہ خراجِ عقیدت وصول کیا کہ زمانہ قریب میں کوئی غیر عرب مصنف اس اعزاز سے شرف یاب نہیں ہوا۔ وہ اس اعتبار سے منفرد مرتبہ کے حامل ہیں کہ اُدباء وفضلاء ہی نہیں بلکہ عالم عرب کے سلاطین وشاہانِ ذی وقار نے بھی ان پر گلہائے عقیدت نچھاور کئے۔ وہ غالباً اسلامی تاریخ میں واحد غیر عرب ہیں کہ جن کے شکوہِ علم، ادبی وجاہت اور علمی کارناموں سے متاثر ہو کر خادمِ حرمین شریفین نے انہیں کعبۃ اللہ کے کلید بردار ہونے کا اعزاز عطا کیا۔ واقعہ یہ ہے کہ مولانا علی میاں کی فکر انگیز تحریروں اور ان کے خوبصورت اُسلوبِ نگارش کو اردو اور عربی زبان بولنے والے اسلامی ممالک میں وہ قدر ومنزلت اور پذیرائی ملی ہے کہ کوئی دوسرا ہندی الاصل مصنف ومفکر ان کا مقابل وہمسر نہیں ہے۔

سید ابوالحسن ندویؒ المعروف مولانا علی میاں تحریک مجاہدین کے مؤسس سید احمد شہید کے نامور جہادی وعلمی خانوادے کے چشم وچراغ تھے۔ ۱۹۱۴ء میں جب انہوں نے اس جہانِ فانی میں آنکھ کھولی، تو اس وقت ان کا خاندان پورے برصغیر پاک وہند میں ممتاز ومحترم سمجھا جاتا تھا۔ ان کے والد گرامی حکیم سید عبدالحی صاحب اپنے وقت کے معروف عالم دین اور مؤرخ تھے۔ مولانا عبدالحی صاحب کی آٹھ جلدوں میں مبسوط نزهة الخواطر کو آج بھی دینی وعلمی حلقوں میں حوالے کی کتاب کے طور پر بلند مقام حاصل ہے۔ اس میں انہوں نے ساڑھے چار ہزار سے زائد شخصیات کے حالات قلمبند کئے ہیں۔ اس کے علاوہ 'گل رعنا' اور معارف العوارف فی أنواع العلوم والمعارف (عربی) جیسی ان کی تصانیف برصغیر پاک وہند کے علمی ذخیرے میں امتیازی شان کی حامل ہیں۔ مولانا علی میاں اس اعتبار سے خوش نصیب تھے کہ بے حد کم سنی میں انہیں علمی صحبتوں اور مجلسوں سے مستفید ہونے کا موقع ملا۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس علمی خانوادے کو عربی زبان وادب سے خاص شغف تھا۔ خاندان کے ماحول نے کم سن علی میاں میں عربی زبان سے شیفتگی واشتغال کو پروان چڑھانے میں اہم کردار ادا کیا۔ اپنے خاندان کے بارے میں وہ خود لکھتے ہیں:

"ہمارا گھرانہ علماء و مصنّفین کا گھرانہ ہے، والد صاحب اپنے زمانے کے عظیم مصنفوں میں تھے۔ خاندانی و موروثی اثرات بڑے طاقتور ہوتے ہیں، وہ نسل در نسل منتقل ہوتے رہتے ہیں اور بچوں اور بچیوں سب میں ان کے کم و بیش اثرات پائے جاتے ہیں۔ کچھ یہ آبائی اثر، کچھ والد صاحب کا ذوق وانہماک...... ہمارے سارے گھر پر یہ کتابی ذوق سایہ فگن تھا"

مولانا علی میاں کے گھرانے کی خواتین بھی اس علمی ذوق میں پیچھے نہیں تھیں۔ ان کی ہمشیرہ محترمہ امت اللہ تسنیم صاحبہ نے نامور محدث امام نوویؒ کی مشہور کتاب 'ریاض الصالحین' کو 'زادِ سفر' کے نام سے اردو زبان میں منتقل کیا۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے اس پر مقدمہ لکھا۔ انہوں نے اپنے اس مقدمہ میں تحریر فرمایا ہے: (پرانے چراغ، حصہ دوم ص ۳۵۴)

"ہم کو اس اظہار میں بڑی خوشی ہے کہ امام نوویؒ کی اس کتاب 'ریاض الصالحین' کا ترجمہ اسی گھرانے نے کیا ہے، جس نے سنتِ نبوی کی اشاعت اور بدعت کے ازالہ کا کام ایک صدی پہلے شروع کر رکھا ہے اور جن کے انوار و برکات ملک بھر میں ہر جگہ نمایاں ہیں"

سید ابوالحسن ندوی اپنے خاندان کے عقائد کے متعلق بیان کرتے ہیں:

"ہمارا گھرانہ عقائد و مسلک میں حضرت سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کا سختی سے پیرو تھا اور ان کے اثرات رچ بس گئے تھے کہ بے اصل اور غیر مستند چیزیں جن سے عقائد میں خلل پڑتا ہو، گھر میں بار نہیں پاتی تھیں" (حوالہ ایضاً ص ۲۴۳)

سر سید احمد خان کی تحریکِ علی گڑھ اور تحریکِ دیوبند کے ساتھ ندوۃ العلماء کی تحریک خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ مولانا محمد علی مونگیری 'ندوۃ' کے بانی تھے، مگر اس کے اصل روحِ رواں اور ساختہ پرداختہ علامہ شبلی نعمانیؒ تھے اس کا مقصد ...... "ایسے علماء کا پیدا کرنا تھا جو قدیم و جدید اور علم و عمل کے جامع ہوں اور جو اسلام کی اَبدی شریعت کے اُصول و مسائل اور بدلتے ہوئے زمانہ کے نئے نئے تقاضوں کے درمیان تطبیق پیدا کر سکیں اور جو دین اور دنیا کی دوری کو دور کر سکیں، زندگی کے نئے نئے مسائل کا دینی حل تلاش کریں اور اسلام کی دعوت اور اس کے ابدی حقائق کو نئے ذہنوں کے لیے عام فہم و مانوس بنا سکیں"

مولانا علی میاں کے گھرانے کو ندوۃ العلماء سے قریبی تعلق رہا ہے۔ ان کے والد حکیم سید عبدالحی اس کے ناظم رہے۔ ۱۹۲۳ء میں ان کے انتقال کے بعد ان کے بڑے بھائی حکیم ڈاکٹر سید عبد

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

العلی اس کے ناظم مقرر ہوئے۔ مولانا علی میاں نے دار العلوم ندوۃ العلماء میں تعلیم حاصل کی، ۱۹۳۴ء میں اس ادارے میں تدریس کے منصب پر فائز ہوئے، بعد ازاں طویل عرصہ تک اس کی نظامت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ مسلمانوں کے اہم تعلیمی اور تہذیبی مرکز کی طویل نظامت ان کے خاندان کے لیے اعزاز سے کم نہیں ہے۔ 'ندوۃ' کی فیکلٹی میں علامہ شبلی نعمانی، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا مسعود عالم ندوی، مولانا حیدر حسن ٹونکوی اور زمانے کے دیگر نامور علماء و فضلا شامل رہے ہیں۔ سید ابوالحسن علی ندوی کی شخصیت کو نکھارنے میں 'ندوۃ' کا کردار بے حد اہم ہے۔

سید ابوالحسن علی ندوی کی ایک اور خوش نصیبی یہ تھی کہ ان کے اساتذہ کا پایہ نہایت بلند ہے۔ وہ خود بھی تحدیثِ نعمت کے طور پر ذکر کرتے ہیں:

"ناچیز راقم کو خدا کے فضل سے بڑے بڑے کامل الفن اساتذہ کی خدمت میں زانوئے ادب تہہ کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ میرا بال بال، رواں رواں، ان کے احسانات کا رہین منت ہے"

ان کے عربی زبان کے اساتذہ میں شیخ خلیل عرب کا نامِ گرامی قابل ذکر ہے۔ شیخ خلیل بن محمد عرب لکھنؤ یونیورسٹی میں عربی زبان و ادب کے استاد تھے۔ وہ نسلاً یمنی تھے۔ ان کے دادا شیخ حسین بن محسن ۱۸۶۹ء میں ہندوستان آئے اور ریاست بھوپال میں قیام پذیر ہوئے۔ ان کی آمد کا پس منظر مولانا علی میاں یوں بیان کرتے ہیں:

"یہ ہندوستان کے مشہور و عظیم عالم و مصنف امیر الملک والا جاہ نواب سید صدیق حسن خان کا زمانہ تھا۔ وہ خود بڑے صاحب نظر عالم اور جوہر شناس رئیس تھے، حجاز کے سفر میں شیخ حسین ابن محسن سے ملاقات ہوئی، وہ ان کا تبحر علمی دیکھ کر ان کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ خود ان سے سند بھی لی اور ان کو بھوپال تشریف لانے کی دعوت بھی دی" (پرانے چراغ، حصہ دوم، ص ۲۱۰)

شیخ حسین فن حدیث کے امام اور قدیم محدثین کی زندہ یادگار اور بولتی چالتی تصویر تھے۔ ابوالحسن علی ندوی کے والد سید عبدالحی ان کے شاگرد تھے۔ مولانا علی میاں نے اپنے استاذ شیخ خلیل عرب پر مفصل مضمون تحریر کیا ہے جسے پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ خلیل عرب سے انہوں نے عربی زبان و ادب کی کلاسیکل کتابیں پڑھیں۔ عربی زبان کی پہلی کتاب المطالعة العربية سے لیکر مدارج القراة، كليلة دمنة، كتاب المغازي۔ ابوالعلا معری کا دیوان سقط الزند، مقاماتِ حريري، نهج البلاغة، امام عبدالقاہر جرجانی کی دلائل اعجاز، قصائدِ بحتری، متنبّی اور حماسة وغیرہ کتب انہوں نے ابتدائی چند برسوں میں پڑھیں۔ اس زمانے کے مسلمانوں کے علمی گھرانوں میں تعلیم کے معیار کا اندازہ مذکورہ بالا فہرستِ کتب سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ مولانا علی میاں نے یہ ساری کتابیں اس وقت

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پڑھ لی تھیں جب وہ ابھی صرف پندرہ سال کے تھے۔ ۱۹۲۹ء میں مولانا علی میاں نے دارالعلوم ندوہ کے شیخ الحدیث مولانا حیدر حسن کے پاس جانا شروع کیا۔ ان سے انہوں نے صحیح بخاری، صحیح مسلم، ابوداود اور ترمذی اور تفسیر بیضاوی پڑھیں۔ اپنے استاد مولانا حیدر حسن کے متعلق لکھتے ہیں

> ''مولانا کو وہی طالب علم زیادہ عزیز تھا جو آزادی سے بحث کرے اور مسئلہ کو سمجھنے کی کوشش کرے، اسی لیے بعض اوقات متعصب حنفی ہونے کے باوجود ان اہل حدیث طلباء پر زیادہ شفقت اور التفات ہوتا جو تیاری کر کے آتے اور بات سمجھنے کی کوشش کرتے''

ان کے علاوہ شیخ تقی الدین الہلالی مراکشی بھی ان کے اساتذہ میں سے تھے۔ شیخ موصوف دارالعلوم ندوۃ میں ادبِ عربی کے استاذِ اعلیٰ تھے، بعد میں اپنے وطن مراکش چلے گئے۔ ایک اور استاذ جن کا ذکر مولانا علی میاں نے بے حد تفصیل سے کیا ہے، وہ ان کے ماموں مولانا سید طلحہ حسنی تھے۔ بقول انکے

> ''وہ صرف و نحو کے امام تھے، عربی کے ایسے ادیب و عالم تھے کہ عہدِ جاہلی و اسلامی کے مسلم الثبوت شعراء کے کئی ہزار اَشعار ان کو حفظ اور نوکِ زبان تھے۔ عربی کے علومِ بلاغت (معانی و بیان) پر ان کی وسیع اور گہری نظر تھی۔ اصولِ فقہ و علم کلام کی قدیم کتابوں پر جو ائمہ فن کے قلم سے نکلی ہیں، ان کی مدرّسانہ و استادانہ نگاہ تھی''

مفکر اسلام سید ابوالحسن علی ندوی کی علمی دلچسپیوں کا دائرہ وسیع اور متنوع تھا۔ عقیدہ و مسلک سے لیکر تاریخ اسلام، نظامِ تعلیم و تربیت، اسلام میں دین و دنیا کی جامعیت، سیرتِ نبویؐ، قدیم و جدید کے صالح و نافع اجزاء کے خوشگوار امتزاج کی ضرورت پر مستحکم عقیدہ، دین و سیاست کی تفریق کو زوالِ اُمت کا اصل سبب قرار دینے پر پورا وثوق، اصلاحِ نصاب، علومِ اسلامیہ اور علومِ عصریہ کے عمیق و تحقیقی مطالعہ کے ذریعہ علماء کو ان کا کھویا ہوا مقام دلانے کی کوشش، اتحادِ ملتِ اسلامیہ، مسلمانوں کے عظیم ماضی کے اَوراقِ گم گشتہ کی نشاندہی، اَسلاف کے اثر انگیز تذکرے اور تاریخ علم و ادب وغیرہ جیسی شاہرات پر ان کا اشہب قلم ہمیشہ رواں دواں رہا۔ مگر اپنے تناسبِ طبع اور مخصوص خاندانی و تعلیمی پس منظر کی بنا پر تاریخ، تہذیب و کلچر ان کا پسندیدہ اور خاص موضوع رہا۔ مغربی تہذیب کی ہولناکیوں کے مناظر دکھا کر اسلامی ثقافت کی برتری کے نقوش کو واضح کر دکھانا بھی ان کی تصنیفات کا مرکزی موضوع ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں مختلف عناصر کے امتزاج سے اسلامی ثقافت کس طرح پروان چڑھی، اس کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''ہندوستان کے خمیر کی آشنا پرستی اور وفا شعاری، رنگ و آہنگ سے اثر پذیری، ترکوں کی مہم جوئی و سپہ گری، افغانوں کی شجاعت و شرافت، مغلوں کے ذوقِ جمالی و قوتِ ارادی، عجم کے حسن طبیعت اور عرب کے سوزِ دروں سب سے مل کر ایک خاص تہذیب اور ایک خاص ثقافت

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وجود میں آئی۔ اس تہذیب و ثقافت میں شکوہ بھی ہے اور تواضع بھی، حلاوت بھی ہے اور مروّت بھی، گہرائی بھی ہے اور گیرائی بھی، صلابت بھی ہے اور رقت بھی، استقامت بھی ہے اور رواداری بھی۔ اس کے قلمرو میں علومِ شریعت و حکمت بھی ہیں اور ادب و شاعری بھی، فقر و درویشی بھی ہے اور نفاست و ذوق بھی۔ اس کی دلچسپی کے میدان قلعے بھی ہیں اور کتب خانے بھی، مدرسے بھی ہیں اور خانقاہیں بھی، تحقیق و تصنیف کے حلقے بھی ہیں اور مشاعرے بھی۔ اس میں ثقاہت بھی ہے اور ظرافت بھی، سخت جانی بھی ہے اور سبک روحی بھی۔ اس کے اظہارِ خیال واظہارِ کمال کا ذریعہ عربی بھی ہے اور فارسی بھی، اردو بھی ہے اور ہندی بھی، یہ وہ تہذیب وثقافت ہے جس نے فاتحین اسلام کے داخلۂ ہند کے بعد سے اپنا کام کرنا شروع کیا، پھر شاہ جہاں وعالمگیر کے عہد میں اپنے نقطۂ عروج پر پہنچ گئی۔ یہ وہ ہندوستانی تہذیب وثقافت ہے جو نہ خالص ہندوستانی ہے، نہ خالص ایرانی، نہ عربی ہے، نہ عجمی بلکہ ان سب کے محاسن کے مجموعہ اور تہذیب وتمدن کے میدان میں ایک نیا تجربہ یہی تہذیب وثقافت تھی" (پرانے چراغ، حصہ دوم ص ۳۲)

شاید ہی کسی اور مصنف نے چند سطور میں ہندوستان میں اسلامی ثقافت کے اجزائے ترکیبی اور اس کے ارتقاء کی تفصیلات کو اس قدر جامعیت سے اتنے مختصر الفاظ میں بیان کیا ہو۔

مولانا علی میاں وسیع المطالعہ اور کثیر التصانیف عالم تھے۔ ان کی اردو اور عربی زبان میں تصانیف کی تعداد سینکڑوں میں ہے جن کے تعارف کے لیے مستقل مقالہ درکار ہے۔ ان کی مایہ ناز اور شاہکار تصنیفات حسبِ ذیل ہیں:

عربی تصانیف

۱۔ ماذا خسر العالم بإنحطاط المسلمين

۲۔ ربانية لا رهبانية

۳۔ المسلمون وقضية المسلمون

٤۔ رجال فكر ودعوة في الإسلام

٥۔ مختارات من أدب العرب

٦۔ رسالة التوحيد (مولانا اسماعیل شہید کی تقوية الإيمان کا ترجمہ)

۷۔ الصراع بين الفكرة الإسلامية والفكرة الغربية في الأقطار الإسلامية

۸۔ روائع اقبال

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اردو تصانیف

۱۔ تاریخ دعوت وعزیمت (چھ جلدیں)

۲۔ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر (چار جلدیں) ماذا خسر العالم کا اردو ایڈیشن

۳۔ منصبِ نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین

۴۔ حجازِ مقدس اور جزیرۃ العرب

۵۔ عصر حاضر میں دین کی تفہیم وتشریح

۶۔ جب ایمان کی بہار آئی!

۷۔ مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش

۸۔ تزکیہ واحسان

۹۔ نبی رحمت (دو جلدیں)

۱۰۔ نقوش اقبال

۱۱۔ تعمیر انسانیت

۱۲۔ کاروانِ مدینہ

۱۳۔ معرکہ ایمان ومادیت

۱۴۔ عالم عربی کا المیہ

۱۵۔ اصلاحیات

۱۶۔ ذکر خیر

۱۷۔ دریائے کابل سے دریائے یرموک تک

۱۸۔ پاجا سراغ زندگی

۱۹۔ نئی دنیا (امریکہ) میں صاف صاف باتیں

۲۰۔ قادیانیت

۲۱۔ دستورِ حیات

۲۲۔ سیرت سید احمد شہیدؒ (۱۹۳۹ء، پہلی تصنیف)

مولانا علی میاں نے معاصر شخصیتوں، بزرگوں، استادوں اور دوستوں سے متعلق تعارفی مضامین، تاثرات، مشاہدات، واقعات ومعلومات، نقوش واثرات کو بے حد دلچسپ پیرائے میں اپنی کتاب 'پرانے چراغ' میں یکجا کر دیا ہے۔ اس کے مطالعہ سے نہ صرف عصر حاضر کی عظیم شخصیات کے اَحوال وظروف سے آگاہی ہوتی ہے، بلکہ اس سے خود علی میاں کے تعلقات کے وسیع دائرہ کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔ "پرانے چراغ" کے حصہ اوّل اور حصہ دوم میں بیالیس نامور شخصیات کے سوانحی خاکے دیے گئے ہیں۔ مثلاً مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا سید مناظر احسن گیلانی، مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا احمد علی لاہوری، شیخ الحدیث مولانا حیدر حسن ٹونکی، مولانا خلیل عرب، مولانا مسعود عالم ندوی، علامہ بھجة البيطار ، علامہ عبدالعزیز میمن، مولانا سید ابوبکر غزنوی، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا مسعود علی ندوی، مولانا عبدالماجد دریاآبادی، الحاج مفتی امین الحسینی، مولانا محمد علی جوہر، ڈاکٹر ذاکر حسین اور مولانا عبدالماجد دریابادی جیسی نادرۂ روزگار علمی ومذہبی وسیاسی شخصیات کے متعلق مضامین معلومات کا بیش بہا ذخیرہ ہیں۔

سید ابوالحسن علی ندوی ہندوستان اور مشرقِ وسطی کے اسلامی ممالک کی درجنوں تنظیموں

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور عالمی شہرت یافتہ اداروں سے وابستہ رہے ہیں۔ انہیں اس سلسلے میں دنیا کے اہم ممالک بالخصوص اسلامی ملکوں کے دوروں کے متواتر مواقع ملے۔ ان کی زندگی کا اچھا خاصا وقت عرب ممالک میں گزرا ہے۔ درج ذیل اہم اداروں سے ان کی وابستگی سے ان کی سرگرمیوں کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے:

۱۔ ناظم ندوۃ العلماء، لکھنؤ
۲۔ رکن مجلس تاسیسی رابطہ عالم اسلامی، مکہ معظمہ
۳۔ رکن مجلس عاملہ مؤتمر عالم اسلامی، بیروت
۴۔ رکن مجلس انتظامی، اسلامک سنٹر، جنیوا
۵۔ سابق وزیٹنگ (Visiting) پروفیسر مدینہ یونیورسٹی و دمشق یونیورسٹی
۶۔ رکن عربی اکادمی، دمشق
۷۔ صدر مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، لکھنؤ
۸۔ رکن مجلس انتظامی و مجلس عاملہ دار المصنفین، اعظم گڑھ
۹۔ رکن مجلس شوریٰ جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ
۱۰۔ رکن مجلس شوریٰ دار العلوم دیوبند

عالم عرب کی نامور شخصیات سے مولانا علی میاں کے قریبی مراسم تھے۔ ان میں مفتی اعظم فلسطین سید امین الحسینی (یاسر عرفات کے دادا) اخوان المسلمون کے ڈاکٹر رمضان سعید اور سید قطب شہید (مصر) علامہ بھجۃ البیطار (شام)، حجاز کے مشہور رئیس، عالم اور فخر جدہ شیخ محمد نصیف، ڈاکٹر تقی الدین الہلالی مراکشی، مشہور عالم اکیڈمی المجمع العلمی (دمشق) کے صدر صاحبِ طرز ادیب علامہ کرد علی، مشہور عرب شاعر اُستاذ خلیل مردم بک (شام)۔ مشہور محقق و ادیب علامہ عبد القادر ڈاکٹر طٰہٰ حسین (مصر)، ڈاکٹر احمد امین (شام)، ڈاکٹر مصطفےٰ سباعی اور سعودی عرب کے مفتی اعظم شیخ ابن باز وغیرہم سے ان کے تعلقات اور ملاقاتوں کا ذکر ان کی تحریروں میں ملتا ہے۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی کی رحلت بلاشبہ ملتِ اسلامیہ کے لیے نقصانِ عظیم ہے جس کی تلافی کا بظاہر زمانہ قریب میں کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ مندرجہ بالا سطور میں ان کی شخصیت کے محض چند گوشوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ان کی علمی و ادبی خدمات اور ملتِ اسلامیہ کے لیے ان کے فکری کارناموں کا جامع تذکرہ ابھی تشنۂ تحریر ہے۔ ان کے ۷۰ سال پر محیط علمی سفر کے بیان کے لیے باقاعدہ ایک کتاب کی ضرورت ہے۔ ☆ ☆

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ